مدارِج تقویٰ

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء)

از

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مدارجِ تقویٰ

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَّاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۱)

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے

حضرت مسیح ناصریؑ فرماتے ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا پکا سچا اور ایسا پاک کلمہ ہے۔ کہ اس میں زمانے کے تغیرات، ملکوں، حکومتوں، علموں اور سائنسوں کے تغیّرات نے ذرا بھی تبدیلی نہیں پیدا کی۔ ۱۹۰۰ء برس گذر گئے۔ لیکن اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ فقرہ "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔" بالکل صحیح ہے۔

جب میں رسول کریم ﷺ کی صداقت کو اسی جملہ میں مرکوز دیکھتا ہوں تو یہ فقرہ مجھے بڑا مزا دیتا ہے۔ واقعی درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔

دیکھو آم کا درخت ہے۔ اس میں اگر ایسے پھل نہیں لگتے جس سے لوگ نفع اٹھائیں تو وہ آم کس کام کا۔ اگر وہ شیریں پھل دیتا ہے تو آم ہے ورنہ ایک لکڑی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر انگور کی بیل میں انگور عمدہ لگتے ہیں تو وہ انگور ہے ورنہ محض ایک گھاس ہے۔

رسول کریم ﷺ کی پاک زندگی کا معیار

ہمارے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر بہت سے اعتراض کئے جاتے ہیں اور بعض بے باک شریر آپ کو بدیوں میں ملوث بتا کر اس سورج کو چھپانا چاہتے ہیں جس سے تمام جہان روشن ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہی فقرہ آپؐ کے چال چلن کی بریّت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ

انسان جس قسم کا ہو اسی قسم کی باتیں کیا کرتا ہے- اس کے متعلق مجھے ایک قصہ یاد آیا ہے- رابعہ بصریؒ ایک مشہور بزرگ عورت گذری ہیں- ان کے سامنے چند آدمیوں نے مسجد میں دنیا کی مذمت کی اور اس قدر مذمت کی کہ عصر کا وقت آگیا- عصر کے بعد پھر اس طائفہ نے دنیا کی مذمت شروع کر دی- آپ نے غضب ناک ہو کر کہا کہ یقیناً تم دنیا کے طالب ہو اسی لئے دنیا کا ذکر کرتے ہو کیونکہ انسان کو جو چیز پسند ہو اسی کا ذکر کرتا ہے بعض اوقات محبوب کے شکوہ میں وہی مزا آتا ہے جو اس کی تعریف میں آیا کرتا ہے غرض انسان کو جس سے محبت ہو اسی کا اکثر ذکر کرتا ہے- یہی اصل ہاتھ میں لے کر رسول کریم ﷺ کی زندگی پاک ثابت کرنے کو میرے لئے قرآن مجید کافی ہے-

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ

یوں تو عیسائیوں نے آپؐ کے خلاف کتابیں لکھی ہیں- اور مسلمانوں نے مجاہد النبی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے- لیکن ایک معترض کہے گا کہ یہ دونوں ناقابلِ اعتبار ہیں- ایک مسلمان نے خوش اعتقادی سے کہنا ہی ہؤا کہ آپؐ کی توجہ ہر وقت خدا کی طرف لگی رہتی تھی- اور ایک عیسائی کا مذہبی فرض ہے کہ اس کے خلاف کہے- پس تاریخ معیار نہیں- ہاں قرآن شریف ضرور قابلِ اعتماد ہے جو تبدیل نہیں ہؤا- عیسائیوں اور یہودیوں کے خیال میں نبی کریم ﷺ کا اپنا بنایا ہؤا ہو- اور مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کلام- دونوں صورتوں میں نبی کریم ﷺ کی زندگی پاک اور مطّہر ثابت ہوتی ہے- کیونکہ ان پاک خیالات کا منبع وہی قلب ہو سکتا ہے جو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو- اگر کوئی قلب اس قسم کے پاک و جامع کلام کا اہل ہوتا تو آدمؑ سے لے کر آپؐ کے زمانہ تک کسی اور نبی پر یہ القاء ہوتا- ابراہیمؑ بھی خدا کو بہت پیارا تھا- موسیٰؑ بھی بہت پیارا تھا- عیسیٰؑ بھی- مگر ان پیاروں میں سے کسی کو وہ کلام نہ دیا بلکہ اپنے سب سے پیارے نبی عربی ﷺ کو دیا- انسان کی فطرت میں بھی یہ امر ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ، عمدہ سے عمدہ چیز اپنے پیارے بچے کے لئے رکھتا ہے- پس خدا نے بھی اپنا لاثانی کلام اپنے اسی بندے کو دینا تھا جو سب پیاروں سے زیادہ پیارا تھا نہ کہ کسی گندوں سے بھرے ہوئے انسان کو جیسا کہ نعوذ باللہ مخالفین کا آنحضرت ﷺ کے بارے میں گمان ہے- غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن مجید کا کوئی رکوع بلکہ کوئی آیت عظمت و جبروتِ الٰہی کے ذکر سے خالی نہیں- جس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کس قدر تعلق و اخلاص اللہ تعالیٰ سے تھا پھر مختلف حالات و اوقات کے متعلق جو احکام ہیں ان پر غور کریں تو بھی آپ ﷺ کی پاک و مطّہر زندگی کا ثبوت ملتا ہے- جب ہم کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے- دیکھو کیا کرنے لگے ہو پہلے بسم اللہ کہہ

لو- جب کھانا کھا چکتے ہیں تو حکم ہوتا ہے الحمد للہ کہہ لو ورنہ ناشکری ہوگی- اس ذات کا شکر ضروری ہے جس نے رزق بخشا، صحت بخشی، معدہ دیا، دانت دیئے- اسی طرح جب ہم کوئی کام شروع کرنے لگتے ہیں تو وہ خیر خواہ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ تمہارا علم ناقص ہے تمہاری قوت میں کمزوری ہے پس اس پاک و قدوس قادر و مقتدر سے مدد مانگ کر شروع کرو استخارہ کرلو- نکاح کے لئے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (النساء:۲) سنا کر خدا کا ڈر یاد دلا دیا- اسی طرح جب ہم صبح کے وقت نیند سے اٹھتے ہیں تو ہم کو حکم ہوتا ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے خدا کی تسبیح و تحمید و تقدیس کرلو- پھر جب سورج ڈھلنے لگتا ہے تو یادِ خدا کا حکم ہوتا ہے تاکہ تمہاری روحانیت کا آفتاب اسی طرح زائل نہ ہو جائے- پھر عصر کے وقت جب آفتاب کی حدت بہت کچھ کم ہو جاتی ہے تو پھر خدا کے حضور گڑگڑانے کا حکم دیا- پھر جب سورج ڈوب جاتا ہے تو اس وقت بھی دعا کا حکم ہے کہ الٰہی جس طرح یہ جسمانی سورج ڈوب گیا ہے روحانی سورج نہ ڈوب جائے اور ہم انوار خداوندی سے محروم نہ رہ جائیں- پھر جب بالکل اندھیرا پڑ جاتا ہے تو پھر اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور:۳۶) کے حضور کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے ایسا نہ ہو کہ ہم طرح طرح کی ظلمات میں رہ کر تباہ ہو جائیں- یہ تعلیم یہ پاک تعلیم کیا کسی گندے انسان کے دل سے نکل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں- بلکہ یہ اسی شخص کے پاک قلب سے نکل سکتی ہے جس کی زندگی نہایت مطہر اور سارے جہان کے لئے نمونہ ہو- یاد رکھو جو شخص دنیا کو جس قدر دین کی طرف متوجہ کرتا ہے یقیناً وہ اسی قدر خدا کا والہ و شیدا ہے-

پس یہ تعلیم کہ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے ہر وقت خدا کو یاد رکھو- اس اخلاص، اس محبت، اس عشق، اس پیار، اس شیفتگی کا پتہ دیتی ہے جو نبی کریم ﷺ کو خدا سے تھی- پھر اسی تعلیم کا اثر دیکھ کر مسلمانوں کے بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں سب اسی رنگ میں رنگین ہیں- کوئی بچہ گرتا ہے تو فوراً منہ سے حَسْبُکَ اللہ، جب کوئی خوشی ہوتی ہے تو زبانیں پکار اٹھتی ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ- آخر یہ بات کس نے ان کے دل میں ڈالی؟ رسول کریم ﷺ نے- انسان اپنے پیارے کا نام کسی نہ کسی بہانے سے ضرور سننا چاہتا ہے- پس نبی کریم ﷺ کا پیارا تو خدا تھا- آپؐ نے ہر حرکت و سکون ہر قول و فعل سے پہلے پیارے کا نام بتا دیا- سب سے نازک خطرناک موقعہ تو انسان کے لئے وہ ہوتا ہے جب شہوت کا بھوت اس کے سر پر سوار ہو- جس وقت انسان سب کچھ بھول کر صرف اسی خیال میں محو ہو جاتا ہے- اور جب وہ دنیا اور دنیا کے پیاروں سے الگ ہو کر ایک پیارے میں

منہمک رہ جاتا ہے تو ایسے جوش کے وقت بھی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا پڑھ لیا کرو۔ غرض کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ تاریخی شہادت کی حاجت نہیں۔ صرف قرآن مجید ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل خدا کے لئے تھا اور آپ ﷺ کی زندگی پاک و مطہر تھی۔

قرآن مجید سے پہلے اَعُوْذُ پڑھنے کی تعلیم میں حکمت

لوگ مذاہب بناتے ہیں کوئی کہتا ہے گدی بن جائے، کسی کو حکومت کا شوق ہوتا ہے، کسی کو دولت جمع کرنے کا خیال۔ غرض مختلف وجوہات ہیں جن سے لوگ دین اختیار کرتے ہوں گے۔ کوئی عیسائی بنتا ہے تو اسے یہ بھی خیال آتا ہو گا کہ میرے ضلع کے ڈپٹی یا میرے صوبہ کے لیفٹیننٹ گورنر یا میرے ملک کے وائسرائے خوش ہو جائیں گے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ وہی تعلیم دیتا ہے جس سے خدا کا قرب خدا کی خوشنودی حاصل ہو۔ وہ اپنے پیرؤوں کو تعلیم دیتے وقت ارشاد فرماتا ہے کہ شاید تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آجائے۔ اس لئے اَعُوْذُ اور بِسْمِ اللہ پڑھ لینی چاہیئے۔ جن کو محض اپنا مذہب پھیلانے کا شوق ہوتا ہے وہ تو کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں داخل ہو خواہ کسی طرح۔ مگر یہاں ارشاد ہے کہ یہ دروازہ عشق الٰہی کا ہے اس میں شیطانی ملونی سے نہ آؤ۔ بلکہ شیطان پر لعنت بھیج کر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ کر، پھر یہ اَعُوْذُ نہ صرف ابتداء میں ہے۔ بلکہ انتہاء میں بھی یہی ارشاد ہوتا ہے کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لو۔ جس سے یہ مراد ہے کہ الٰہی میں نے تیری کتاب کو پڑھا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی قسم کے قصور سرزد ہوئے ہوں۔ اپنی عظمت کا خیال آگیا ہو کہ میں صوفی بن جاؤں، لوگ مجھے بزرگ کہیں، میرے پاؤں چومیں، پس اپنے رب کی پناہ میں آکر عرض کرتا ہوں کہ محض اسی کی محبت ہو جس کی خاطر میں لوگوں کو اس کی تلقین کروں۔

قرآن مجید کی تعلیم کا خلاصہ

یوں تو سارا قرآن مجید تقویٰ کی تعلیم سے لبریز ہے مگر جو آیت میں نے آپ لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے۔ اس میں بھی ایک خاص رنگ میں تقویٰ کی ہی تعلیم دی گئی ہے۔ جس سے اس بات کا ثبوت مل سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کیسی پاک اور تقویٰ سے لبریز تھی۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ پاک تعلیم اسی کو مل سکتی تھی جو خود تقویٰ سے معمور ہو۔ اس لئے اس کتاب سے رسول اللہؐ کی قلبی کیفیت ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ کیا ہی خوش قسمت تھے وہ لوگ جنہوں نے یہ پاک کلام خود رسول اکرم

ﷺ کے منہ سے سنا۔ دیکھو دہلی میں دربار ہوا۔ بادشاہ سلامت نے جو کچھ فرمایا وہ اخباروں کے ذریعے کئی کانوں تک پہنچ گیا۔ مگر جو لذّت ان لوگوں کو آئی ہو گی جنہوں نے خود بادشاہ کے منہ سے سنا وہ ان لوگوں کو نہیں آسکتی جنہوں نے اخباروں میں پڑھا۔ پھر بھی میں دیکھتا ہوں کہ قرآن مجید ایسا پاک اور مؤثر کلام ہے کہ تیرہ سو برس گذر جانے پر بھی اپنے اندر ایک ایسی لذت رکھتا ہے کہ پاک دل مؤمن تو متوالے ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین باتوں پر بہت زور ہے۔ اول تو یہ کہ اللہ ایک جامع جمیع صفات کاملہ ' کل عیبوں اور نقصوں سے منزہ ہستی ہے اور وہ ہی وہ ہے اور کچھ بھی نہیں (دوم) اس کے مقابلہ میں تمام مخلوقات بلکہ اشرف المخلوقات انسان تک ہیچ ہے اور ناکارہ اور حاجتمند۔ اسی کی مہربانیوں کا محتاج ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اسی کا ہو کر رہے اسی سے پیار اسی سے محبت رکھے۔ اور (سوم) چونکہ سب ایک ہی خدا کی مخلوق ہو اس لئے آپس میں محبت کرو۔ جن چیزوں میں ذرا بھی مشابہت یا مناسبت ہو ان کی آپس میں اُلفت ہو جاتی ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے دیکھا کہ ایک کوا اور کبوتر اکٹھے بیٹھے ہیں وہ حیران ہوئے کہ ان کا کیا جوڑ ہے۔ کوئی ہم میں سے ہوتا تو خیال بھی نہ آتا۔ اور آتا بھی تو یہ کہتے ہوئے آگے گذر جاتا کہ کون اپنا وقت ضائع کرے۔ مگر وہ بھی اپنی نظیر آپ تھے وہیں ٹھہر گئے اور دیکھتے رہے۔ آخر معلوم ہوا کہ ان دونوں کے پر ٹوٹے ہوئے ہیں اور اسی مناسبت سے وہ اکٹھے بیٹھے ہیں۔ پس ہم لوگ بھی جب سب خدا کے ہیں تو کیوں لڑیں ' جھگڑیں۔ کیوں نہ آپس میں محبت رکھیں۔ ایک ہی بادشاہ کی رعایا ہو کر لڑائی کیسی؟

اللہ کی عظمت ' جلال ' جبروت پر ایمان ' اپنے نفس کی اصلاح ' آپس میں بنی نوع انسان کا محبت و پیار یہ نچوڑ ہے تعلیمِ قرآنی کا اور اسی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مختلف پیرایوں میں ذکر فرماتا ہے۔

ہدایت کے دو طریق ہیں۔ احسان یا عتاب

اور اس نصیحت و ہدایت پر عمل کرانے کے دو طریق ہیں۔ انعام و عتاب باپ اپنے بیٹے کو پہلے تو کہتا ہے کہ لو یہ پیسہ لو اور مدرسے جاؤ لیکن اگر پیسہ لے کر نہیں جاتا تو پھر اسے باوجود پیار کے تھپڑ مارتا ہے۔ یہ دو طریق اس لئے ہیں کہ بعض طبائع احسان سے مانتی ہیں اور بعض خوف سے۔ اسی لئے قرآن شریف جو ہر قسم و ہر طبیعت کے لوگوں کو ہدایت سکھانے آیا ہے دونوں طریقوں سے کام لیتا ہے۔ احسان بھی جتاتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے۔ یعنی اگر احسان نہ مانو گے تو اللہ دُکھوں میں ڈال سکتا ہے۔ اگر مانو گے تو انعام پاؤ گے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا رحمٰن و رحیم ہے وہ پھر ایسا کیوں کرتا

ہے۔ طاعون کیوں بھیجا ایسے لوگ احمق ہیں اور طبائع کا علم نہیں رکھتے۔ اگر بچہ پیسہ لے کر بھی مدرسے نہیں جاتا تو اب اسے مار کر بھیجنا باپ کا ظلم نہیں۔ اگر کوئی شخص کنویں میں چھلانگ مارنے لگے۔ اور ایک دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دے تو وہ ظالم نہیں بلکہ رحیم ہے۔ جب دونوں قسم کی طبیعتیں ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں نافرمانی کرنے والوں کو ڈر نہ دلائے۔ اگر دس آدمی جنت میں جائیں گے تو غالباً ان میں پانچ ایسے ہوں گے جو خوف الٰہی کی وجہ سے نیک ہوئے اور اس لئے دوزخ سے بچ گئے ہیں پس اگر تخویف کا پہلا درجہ ترک کردیا جاتا تو شاید نصف جنتی جنت حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے۔ رسول کریم ﷺ کے بارے میں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: ۲۳) آیا ہے۔ مگر میں تو کہا کرتا ہوں کہ کاش رسول کریم ﷺ ہم پر داروغہ ہوتے تو لوگوں کا اکثر حصہ جہنم میں پڑ جانے سے بچ جاتا۔

يَا عِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس قدر تمہید کے بعد میں ان آیات کے معنے کرتا ہوں قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے میرے پیارے رسول کہدو۔ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ یٰعِبَادِ کہنے میں جو لطف ہے اس پر میں زور دیتا ہوں۔ کیونکہ شاید سب لوگ نہ سمجھیں۔ لیکن چونکہ مجھے بچپن سے شاعرانہ مذاق رہا ہے۔ اس لئے میں اس کا خوب مزا حاصل کرتا ہوں۔ جن میں ذرا بھی محبت کا مادہ ہے وہ اس طرز خطاب کی لذت سے خوب آشنا ہیں۔ اس دنیا کے فانی محبوبوں کی طرف سے عشاق آرزو کیا کرتے ہیں کہ کاش وہ ہمیں اپنی گلی کا کتا ہی کہہ دے کوئی گالی ہی دیدے۔ تو اس محبوب حقیقی سے جو حسن و احسان کا سرچشمہ ہے یَا عِبَادِ میں جو محبت کی چاشنی ملی ہوئی ہے اسے کچھ وہی دل سمجھ سکتے ہیں جو اس کوچہ سے آشنا ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر یَا عِبَادِ ہی نہیں کہا بلکہ فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اے وہ بندو جو اس بات کے مدعی ہو کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو یاد رکھو کہ صرف دعویٰ کوئی چیز نہیں۔ پس ایمان ایک دعویٰ ہے اس کے ساتھ عمل بھی چاہیئے۔ اور جو زبانی دعویٰ کرتا ہے مگر عمل نہیں کرتا۔ اس میں اور پاگل میں کچھ فرق نہیں۔ آپ ایک پاگل خانہ میں جا کر دیکھیں وہاں بھی وہی نظارہ نظر آئے گا۔ میں گیا تو ایک پاگل کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں بادشاہ ہوں' مہدی ہوں' میں ساری دنیا کو فتح کرلوں گا۔ پھر ایک اور پاگل کو خلیفۃ المسیح نے دیکھا کہ کنکروں کا ڈھیر آگے لگا کر بیٹھا ہے اور اپنے تئیں خزانوں کا مالک سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ تم لاکھ لے جاؤ۔ تم دس لاکھ لے جاؤ۔ اب ان پاگلوں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جو مؤمن ہونے کا مدعی ہے مگر عمل مؤمنوں والے نہیں

کرتا- غرض جو صرف زبانی باتیں بنانے والا ہے وہ پاگل ہے-جس طرح پاگل کہتا ہے میں بادشاہ ہوں، حکیم ہوں، طبیب ہوں، مہندس ہوں، سلطان ہوں، اور اس سے وہ سچ مچ بادشاہ وغیرہ نہیں بن جاتا-اسی طرح اگر کوئی شخص محض زبان سے کہتا ہے کہ میں مؤمن ہوں اور اس کے مطابق اس کے اعمال نہیں تو وہ ان انعامات کا وارث نہیں ہو سکتا جو مؤمن کے لئے مقرر ہیں-پس میرے دوستو! تمہیں پاگل خانہ دیکھنے کے لئے لاہور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ خود تمہارے گھر میں پاگل خانہ کا نظارہ موجود ہے-جو شخص کہتا ہے کہ میں مؤمن ہوں اور عمل ویسے نہیں کرتا وہ پاگل کی طرح ہی ہے-کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو ایک ایسا درجہ دیتا ہے جس کا حقیقتاً وارث نہیں-

اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو-یہاں احسان و خوف دونوں یاد دلادیئے ہیں-کس کا تقویٰ کرو-اپنے رب کا-زمین جس پر سوتے ہو وہ کس کی ہے؟ اسی رب کی-آسمان کو کس نے بنایا؟ خدا نے-آنکھوں میں نور کس نے بخشا؟ خدا نے-جس کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچانتے رستہ دیکھتے اور کتابیں پڑھتے ہو پھر ہاتھ، دماغ، دل بھی اسی نے بخشے جن چیزوں سے ہم کام لیتے ہیں پھر جن قوتوں سے ان کو استعمال میں لاتے ہیں وہ سب ہی رب کی دی ہوئی ہیں-تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ اس کے فرمانبردار رہیں؟ کہتے ہیں چور جس گھر پر کھانا کھالے وہاں چوری نہیں کرتا-حالانکہ چور ایسا ذلیل ہے کہ کوئی شریف آدمی اس کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتا تو پھر جس کا تم روز کھاتے ہو اسی کی نمک حرامی کرو تو اس چور سے بدتر ہو یا نہیں-کان، حلق، زبان، منہ، پانی، سب کچھ خدا کا دیا ہو مگر محبت کریں اَوروں سے اور اپنے حقیقی محسن کو بھول جائیں-کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے-کیا لطیف نکتہ معرفت ہے اس حکایت میں جو میں نے پچھلے دنوں پڑھی کہ ابراہیم ادہمؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھ سے گناہ نہیں چھوٹ سکتے-آپ نے فرمایا چھ باتیں بتاتا ہوں ان پر عمل کرو پھر بے شک گناہ کرلیا کرو (۱) جب تو خدا کا گناہ کرے تو خدا کا بنایا ہؤا رزق نہ کھائیو (۲) دوسرا یہ کہ اگر خدا کا گناہ کرنا ہے تو خدا کے ملک میں نہ رہیو-(۳) یہ کہ اگر خدا کا گناہ کرنا ہے تو خدا سے چھپ کر کیجئو (۴) چہارم یہ کہ اگر خدا کا گناہ کرنا ہے تو ملک الموت جب آوے تو کہنا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں توبہ کرلوں-(۵) پنجم یہ کہ اگر وہ نہ مانے تو پھر منکر نکیر جب سوال کریں تو ان سے انکار کر دینا کہ میں تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دیتا (۶) ششم یہ کہ جب تجھے دوزخ میں ڈالنے لگیں تو اَڑ بیٹھنا کہ میں تو یہاں نہیں جاتا-اس نے عرض کیا کہ حضور یہ تو نہیں ہو سکتا-فرمایا پھر کیسی بے حیائی اور بے شرمی ہے کہ تو اسی کا رزق کھاتا ہے اسی کی زمین پر رہتا ہے

پھر موت کا مالک نہیں اور پھر اس کے سامنے اس کے احکام کو ٹالتا ہے۔

یاد رکھو کہ بڑی بڑی مشکلوں اور مصیبتوں میں صرف ایک رب ہی ہے جو کام آتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں انسان کو رزق کون دیتا ہے۔ جب پیٹ سے باہر آتا ہے تو ہوا کھانے کو کس نے مہیا کی۔ روشنی کے لئے سورج چاند کس نے بنائے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ماں باپ کے دل میں وہ محبت جو تیری پرورش کا موجب ہوئی۔ کس نے یہ پیدا کی۔ اگر بجائے محبت کے نفرت ڈال دیتا تو تیرا کیا بس چلتا اور کیا حال ہوتا۔ باوجود اس احسان اس شفقت اس پیار کے پھر بھی انسان ہیں کہ اس سے بے تعلقی کرتے ہیں۔ وہ چوروں سے بدتر ہیں۔ یہ تو احسان ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے متوجہ کیا۔ لیکن جو محبت سے نہیں مانتے اس کے لئے دوسرے معنی خوف کے بھی بیان کئے ہیں۔

اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ کے دوسرے معنی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ستارے یہ زمین یہ بیوی بچے یہ طاقتیں یہ قویٰ یہ مال یہ دولت یہ چاند یہ سورج یہ تجارت یہ حرفت کے اسباب ہمارے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنی ربوبیت کا تعلق قطع کرلیں تو بتاؤ کون ہے جو ربوبیت کرے اگر ہم اندھا کردیں۔ تو کون ہے جو آنکھیں دے۔ اگر ہم ہاتھ توڑ دیں تو کون ہے جو ہاتھ دے۔ تو پھر زبان دی اگر گونگا کردیں تو کون ہے جو گویا کرے۔ ہم نے کان دیئے اگر بہرہ کردیں تو کون ہے جو کان دے۔ احسان سے نہ مانو گے تو ہم اپنے قہر سے منوائیں گے۔ کیونکہ سب خزانے ہمارے ہی قبضۂ اقتدار میں ہیں۔

اسی کے آثار میں سے طاعون، زلزلے اور وبائی بیماریاں ہیں۔ لیکن لوگ ہیں کہ باوجود اس تباہی کے نہیں مانتے۔ تعجب کی بات ہے کہ نمبردار تحصیلدار دھتکار دے تو زمیندار کی جان نکلتی ہے۔ ہوش اڑ جاتے ہیں۔ لیکن خدا کی طرف سے مأمور آکر سناتے ہیں کہ فرمانبرداری کرو گے تو انعام پاؤ گے اور اگر نافرمانی کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے مگر اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ ایک تحصیل کے چپڑاسی کا رعب تو ہے لیکن خدا کے فرستادوں۔ اور پھر حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جیسے فرستادوں کا رعب نہیں۔ یہ بے ایمانی کا نشان ہے۔ طاعون سے گھر کے گھر ویران ہوگئے۔ اگر اب بھی نہیں جاگو گے تو پھر کون سی آفت ہے جو تمہیں جگائے گی۔ کیا خدا تعالیٰ اپنی بات کو چھوڑ دے گا؟ بال ہٹ، تریا ہٹ، راج ہٹ۔ یہ تین ہٹیں بہت مشہور ہیں۔ مگر خدا کی ہٹ کے مقابلہ میں یہ کیا چیز ہیں۔ اگر طاعون اور زلزلوں سے لوگ نہیں مانیں گے تو وہ اپنی اور آفتیں نازل کردے گا۔ کیا اس کے خزانوں میں عذابوں کی کچھ کمی ہے۔ وہ سب کو ایک دم میں پیس

کر کوڑا کرکٹ بنا سکتا ہے۔ بچہ جو اپنے آپ کو سنبھال بھی نہیں سکتا وہ تو اپنی ہٹ نہیں چھوڑتا۔ عورت جو خاوند کی محکوم ہے وہ تو اپنی ہٹ نہیں چھوڑتی۔ راجہ جو مخلوق کا بنایا ہؤا راجہ ہے وہ بھی جب بول اٹھتا ہے کہ میں یہ کام کروں گا تو کر کے رہتا ہے۔ تو پھر وہ جو ان سب کا رب ہے کیا اس کے آگے ہماری ہٹ چل سکتی ہے۔ پس سن رکھو کہ جو نافرمانیوں سے اور خدا کے مأموروں سے شوخیاں کرنے سے باز نہیں آتے ان کو منوایا جائے گا۔ دیکھو عرب کے لوگوں نے کم ہٹیں نہیں کیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ وہی لوگ جو باعزت کہلاتے تھے آخر ذلیل و حقیر ہوئے اور ایسے کاٹ دیئے گئے کہ بے نام و نشان رہ گئے۔ ابو جہل سید العرب تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کیا وہ اُڑ سکا۔ پھر یہاں تک خدا کے پاک بندے کو کامیابی ہوئی کہ ہر ایک بستی میں سید کہلانے والا کوئی نہ کوئی موجود ہے۔ مگر ابو جہل کی نسل سے کوئی نہیں بنتا۔ باوجودیکہ نسل اس کی موجود ہے مگر اس کی طرف منسوب ہونا عار کا موجب سمجھا جاتا ہے۔ سید کیا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لڑکے کی نہیں بلکہ لڑکی کی اولاد ہیں۔ مگر لوگ کہتے ہیں کچھ بھی ہو کسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ہمارا تعلق تو بنا رہے۔ گو قرآن مجید میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۴) آیا ہے۔ اور ابو جہل کی اولاد ہونا کوئی بری بات نہیں۔ مگر پھر بھی لوگ پسند نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خدا کے مأمور کا مقابلہ کیا۔ پس وہ ذلیل و حقیر ہؤا۔

اب میں بتاتا ہوں کہ وہ تقویٰ کیا ہے جس کے حصول کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔

تقویٰ کیا چیز ہے

تقویٰ کے تین مدارج ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھائے (اور بھی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیان کرنے کے لئے یہی دل میں ڈالے ہیں) اور میں انہیں ایسی طرز میں سنانے کی کوشش کروں گا کہ زمیندار بھی سمجھ جائیں۔ لیکن ان کے بیان کرنے سے پہلے میں اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ تقویٰ ایک ایسی نعمت ہے کہ جس شخص کو حاصل ہو پھر وہ اس کے مقابل میں دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا چنانچہ ایک بات حضرت اقدسؑ کی مجھے یاد آگئی۔ آپ لوگوں کا حق ہے کہ آپ کو سنائی جائے۔ کیونکہ اگرچہ میرا حضرت سے دوہرا یعنی جسمانی بھی اور روحانی بھی تعلق ہے۔ مگر روحانی لحاظ سے آپ بھی ان کے بیٹے ہیں۔ آپ کی نوٹ بک میں نے دیکھی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی پاک خیال پاک جذبہ دل میں اٹھتا تو آپ لکھ لیتے۔ اس نوٹ بک میں خدا کو مخاطب کر کے لکھا ہے "او میرے مولیٰ! میرے پیارے مالک! میرے محبوب! میرے معشوق خدا! دنیا کہتی ہے تو کافر ہے۔ مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مل سکتا ہے۔ اگر ہو تو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں۔ لیکن

میں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ میں کس حال میں ہوں۔ اس وقت تو مجھے جگاتا ہے۔ اور محبت سے پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو پھر اے میرے مولیٰ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے پھر میں تجھے چھوڑ دوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں"۔

لیکن تقویٰ ایک دم میں حاصل نہیں ہوتا۔ یہ نہ سمجھو کہ ایک دم میں تم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج مل جائیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ادھر بیعت کی اور ادھر علم روحانی کے دروازے کھل جائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے سب کام وقت پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس بات کو عجیب طور سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اکثر لوگ آیات قرآنی کے ربط کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے ناواقف رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (ق:۳۹-۴۰) بظاہر خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور پھر فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ میں کچھ ربط نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے خدا ہو کر زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس عرصہ کی وجہ سے میں تھکا نہیں۔ تو تم نے اے نبی خدا کا بندہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ خدا ہونے کا۔ پس تم کیوں گھبراتے ہو۔ خدا تعالیٰ کے سارے کام صبر کے ساتھ ہوتے ہیں۔ نو ماہ میں نطفہ سے بچہ بنتا ہے۔ پھر بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے۔ اب تمہارے ساتھ جو وعدے ہیں۔ وہ بھی ضرور پورے ہوں گے تم تسبیح میں لگے رہو یعنی خدا تعالیٰ کی قدوسیت اور اپنی احتیاج کا اقرار اور وعظ کرتے رہو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اجی سوچنے کی بات ہے کہ جب خدا تعالیٰ جو تمام نقصوں اور عیبوں سے پاک ہے۔ جب وہ اپنے کام سہج سہج کرتا ہے تو تم جو پاک نہیں تمہیں کیا جلدی ہے۔ اکثر لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ اسی جلد بازی کی وجہ سے بدظن ہو جاتے ہیں کہ آتے ہی کہہ دیا۔ ہم نے بیعت تو کرلی۔ مگر ہمیں رسول کی زیارت کیوں نہیں ہوئی۔ ہم کو اولیاء اللہ کے مدارج کیوں نہیں مل گئے۔ ہمیں تجارت میں کیوں گھاٹا ہؤا۔ یہ سب فاسد خیالات ہیں۔ خدا تعالیٰ جب رسول کریم ﷺ کی خاطر اپنے قوانین نہیں توڑتا۔ تو تم کہاں کے تیس مار خاں ہو کہ تم جو کہو وہ فوراً ہو جائے۔ غرض ہر بات صبر کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور صبر کا پہلا درجہ تقویٰ ہے۔ ایک مفسّر نے تقویٰ کی تعریف کی ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ مگر مفسّر سے میری مراد کشاف ' خازن ' کبیر ' جلالین کے مفسّر نہیں۔ بلکہ وہ جو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ تقویٰ کی یہ مثال ہے کہ

ایک تنگ رستہ جس کے ارد گرد کانٹے دار جھاڑیاں ہوں جن کی شاخیں راستہ کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہوں اور اس میں کسی ایسے انسان کو گزرنا پڑے جس نے موٹا کھلا چوغہ پہنا ہوا ہو تو جس طرح یہ آدمی اپنے کپڑے سنبھال کر گزرتا ہے اور چاروں طرف احتیاط کی نگاہ ڈالتا جاتا ہے اسی طرح چاہیئے کہ انسان اپنے نفس کو دنیا کی آلائشوں سے جو اسے کئی کئی طریقوں سے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہیں بچاتا جائے۔ تب وہ متقی ہو سکتا ہے۔ غرض کہ تقویٰ کا پہلا درجہ صبر ہے۔

تقویٰ کے تین درجے

مگر صبر کے صرف یہی معنے نہیں کہ کوئی مرگیا تو خاموش رہیں بلکہ صبر کے تین معنے ہیں۔ (۱) مصیبت پڑے تو انسان جزع فزع سے پرہیز کرے مثلاً کوئی پیارا مرجائے تو کہہ دے مولیٰ کی چیز تھی اس نے لے لی (۲) بدیوں سے پرہیز کرے نفس کو لگام چڑھائے رکھے۔ ایسے متقی کی مثال یہ ہے کہ کوئی سوار ہو اور اس کا گھوڑا بھوکا ہو اور جس راستہ پر وہ چل رہا ہو اس کے ارد گرد کھیت ہوں اور گھوڑا ان میں منہ ڈالنا چاہے اور وہ سوار اس کی لگام کھینچے رکھے تا ایسا نہ ہو کہ غیر کے کھیت کا نقصان ہو کر اس کے لئے مصیبت کا باعث ہو۔ اسی طرح اس درجہ کے متقی کا کام ہے کہ نفس کے سرکش گھوڑے کو لگام دیئے رکھے۔ اور اسے محارم میں پڑنے سے بچائے رکھے (۳) پھر صبر کے معنے قناعت کے ہیں یعنی جو احسانات اور انعامات اللہ تعالیٰ کے انسان پر ہوں ان سے زیادہ کی حرص نہ کرے۔

ہر قسم کی بدیوں سے رکنے والے کا نام صابر متقی ہے۔ اور یہ سب سے گھٹیا درجہ ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کسی کے ہاں کوئی مہمان جائے تو وہ جو کچھ میزبان دے وہی لیتا ہے اسی طرح ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ جن چیزوں کے استعمال کی اس نے اجازت دی ہے وہی استعمال کرنے کے حق دار ہیں۔ یہ درجہ کوئی اتنا بڑا نہیں۔ جب ایک معمولی شریف مہمان اپنے میزبان کے گھر سے خود کھانا نہیں اٹھالاتا اور نہ اس کی کوئی چیز لے کر چمپت ہوتا ہے تو پھر ایک مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خدا کا مہمان ہو کر بغیر اس کی اجازت کے اس کے حکم کے خلاف اس کی چیزوں میں دست اندازی کرے۔ اگر میزبان اپنے مہمان کے سامنے کوئی کھانا لا کر رکھے اور مہمان کہے کہ نہیں مجھے پلاؤ لادو 'فلاں مٹھائی مجھے لادو' یا میزبان اپنے مہمان کے آگے کوئی چیز رکھ کر کسی مصلحت سے اٹھالے اور مہمان چیخنا شروع کردے تو وہ مہمان بہت برا سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے کر پھر کسی اپنی حکمت سے واپس لے لے تو جزع و فزع نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ جزع و فزع محض بیوقوفی ہے۔ پس تقویٰ کا پہلا درجہ تو ضبطِ نفس ہے۔ یعنی نفس کو نافرمانی حضرت رب العزت سے

روکے رکھے اور اگر وہ اپنی حکمت سے اس کا کوئی بیٹا مار دے تو جزع و فزع نہ کرے۔ ایسے متقی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۶-۱۵۷)۔ یعنی ہم تم کو آزمائیں گے کچھ ڈرائیں گے۔ کچھ بھوکا رکھیں گے پھر مال کا نقصان ہو گا۔ پھر جان کا نقصان، پھر پیداوار کا نقصان جو ان ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے گا۔ تو اسے بشارت ہو۔ کہ وہ صابر کا درجہ پا گیا۔ کیونکہ جب اس پر کوئی مصیبت آئی مثلاً بیٹا مر گیا تو اس نے کہا کہ میرا کیا تھا یہ تو خدا ہی کا تھا اس نے اپنے پاس بلا لیا میں کیوں گھبراؤں۔ میں بھی تو اسی کا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں (یہ صابر متقی کے نقطہ خیال سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے معنے ہیں) گھبراہٹ تو تب ہوتی کہ کوئی چیز کھوئی جاتی۔ جب انسان سمجھے کہ میں بھی وہیں جا رہا ہوں جہاں وہ بلا لیا گیا تو کیوں گھبراؤں اور کیوں جزع فزع کروں۔ دیکھو کسی قادیان آنے والے کا اسباب ہو۔ اور وہ بٹالہ کے سٹیشن پر چھکڑے پر رکھ دیا جائے۔ اور اس سے پہلے روانہ کر دیا جائے تو وہ مہمان بہت بیوقوف ہو گا۔ اگر جزع و فزع شروع کر دے کیونکہ آخر اسے بھی وہیں جانا ہے جہاں وہ اسباب پہنچے گا۔

صبر کے دوسرے معنی اس آیت سے حل ہوتے ہیں جو یہودیوں کے بارے میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ (البقرہ: ۶۲)۔ دیکھئے انہوں نے خدا کے دیئے پر قناعت نہ کی۔ یہ خلاف صبر کیا۔ پھر صبر نام ہے بدیوں سے بچنے اور عمل صالح پر قائم رہنے کا یہ معنے سورۃ العصر سے حل ہوتے ہیں۔ جہاں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر: ۴) کے مقابلہ میں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: ۴) رکھا گیا ہے جس میں حق ایمان کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے۔ اور صبر عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مقابلہ میں۔ پس صبر کے معنی قرآن شریف نے بھی عمل صالح کے کئے ہیں۔

شاکر متقی

دوسرا درجہ تقویٰ کا شکر ہے۔ اس درجے کا متقی شاکر کہلاتا ہے۔ قرآن شریف میں صَبَّارٍ شَكُوْرٍ آیا ہے۔ شاکر اور صابر میں یہ فرق ہے۔ کہ شاکر انسان پر جب دکھ آتا ہے تو وہ صابر کی طرح صرف اتنا ہی نہیں کہتا کہ خدا کا مال تھا اس نے لے لیا۔ بلکہ وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ گھبرانے کی بات نہیں ایک چیز اس نے لے لی ہے تو کیا ہوا فلاں فلاں نعمت بھی تو اسی کی دی ہوئی ہے۔ میرا کیا حق تھا کہ وہ یہ نعمتیں مجھے دیتا۔ پس اس کی جناب میں

شکر کا سجدہ بجالاتا ہے۔ صابر گئی ہوئی چیز کی طرف خیال رکھتا ہے اور صرف اسی کے متعلق اپنا صبر ظاہر کرتا ہے۔ مگر شاکر کہتا ہے جواب میرے پاس ہے وہ بھی تو میرا حق نہیں۔ شاکر بھی انا للہ پڑھتا ہے۔ مگر وہ اس کے اور معنی لے لیتا ہے یعنی وہ صرف یہ نہیں کہتا کہ جہاں وہ چیز گئی ہے میں بھی وہاں جانے والا ہوں۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ جو چیزیں میرے پاس موجود ہیں یہ سب بھی تو خدا ہی کی ہیں۔ تقویٰ ایک پہاڑی ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اس پر چڑھتے ہوئے آنے والی مصیبتوں بلاؤں شیروں چیتوں بھیڑیوں کا مقابلہ کرتا ہے اور پیچھے نہیں ہٹتا۔ اسے صابر کہیں گے۔ اور ایک وہ جو نہ صرف ان کا مقابلہ کرتا ہے بلکہ ہر مصیبت پر ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ یہ شاکر ہے۔ شاکر کے مال کا جب کوئی نقصان ہوتا ہے تو اسے ضائع شدہ کی فکر نہیں ہوتی بلکہ موجود پر شکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بھی میرا حق نہ تھا محض خدا کا فضل ہے اور اس طرح پر وہ محبت الٰہی میں بڑھ جاتا ہے۔ صابر نماز پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ایک حکم تھا جو میں نے ادا کر دیا۔ مگر شاکر نماز کے بعد پھر سجدے میں گر جاتا ہے کہ میرے مولیٰ تیرا احسان تیرا فضل تیرا انعام ہے کہ تو نے مجھے توفیق دی کہ میں تیری عبادت بجالایا۔ صابر تو صرف صدقہ دیتا ہے۔ اور شاکر کہتا ہے کہ شکر ہے کہ میرے مولیٰ نے مجھ سے خدمت لی۔ صابر فرض کے ادا کرنے کو اپنا کمال سمجھتا ہے شاکر شکر کرتا ہے کہ کروڑوں ہیں جو تیری درگاہ سے دور ہیں۔ تیرا فضل ہؤا کہ میں حکم بجالانے کے قابل ہوا۔ صابر کسی نقصان جان پر سمجھتا ہے کہ خدا کی چیز تھی اس نے لے لی۔ شاکر کہتا ہے کہ الٰہی لاکھوں ہیں جن کے بیوی نہیں ' بچہ نہیں ' بھائی نہیں ' بہن نہیں اور مجھے تو نے یہ سب کچھ بخشا ہے۔ تیرے احسانوں کا کہاں تک شکر ادا کروں۔ پس وہ کسی مصیبت کے وقت کسی جان و مال کے نقصان کے وقت اور بھی آستانہ الوہیت پر گرتا اور اپنے مولیٰ کے احسانوں پر فدا ہوتا ہے۔

دو مثالیں دو مثالیں صابر اور شاکر کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے سناتا ہوں۔ ایک تو اسلام سے پہلے کا قصہ ہے جو مثنوی میں لکھا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ مولانا رومؒ کا معمول ہے کہ حق سکھانے کے لئے کوئی نہ کوئی تمثیل ضرور پیش کر دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں حضرت لقمان ایک شخص کے ملازم تھے۔ آقا بوجہ ان کی مخلصانہ خدمات کے ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے پاس خربوزہ آیا جو بے بہار کا تھا۔ اس نے عجوبہ چیز سمجھ کر ایک پھانک از راہ محبت لقمان کو دی۔ آپ نے اسے چٹخارے لے لے کر کھانا شروع کیا حالانکہ دراصل وہ خربوزہ بہت تلخ اور بدمزہ تھا۔ آقا نے اپنے وفادار مخلص غلام کو چٹخارے لیتے دیکھ کر ایک پھانک اور دی جو آپ نے

بڑے مزے سے کھائی۔ یہ حالت دیکھ کر آقا کو شوق ہؤا کہ میں بھی خربوزہ کھاؤں۔ کیونکہ بڑا مزیدار معلوم ہوتا ہے۔ جب اس نے چکھا تو معلوم ہؤا سخت کڑوا اور بدمزہ ہے۔ اس نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ یہ خربوزہ تو سخت کڑوا ہے۔ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ میں اس خیال سے کہ آپ کو پسند ہے بار بار پھانکیں دیتا رہا۔ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ اتنی مدت آپ کے ہاتھ سے میٹھی اور خوشگوار چیزیں کھاتا رہا ہوں۔ میں بڑا ہی ناشکر گزار ہوتا کہ جس ہاتھ سے اس قدر میٹھی چیزیں کھائیں اس سے ایک کڑوی ملنے پر ناک بھوں چڑھاتا۔ پس اسی طرح شاکر متّقی کہتا ہے اللہ کے مجھ پر ہزاروں احسان ہیں اگر ایک مصیبت بھی آگئی تو کیا ہؤا یہ بھی شکر کا مقام ہے۔ گویا شاکر کو تکلیف کے وقت اللہ کے احسان یاد آنے لگتے ہیں۔

دوسرا قصہ نبی کریم ﷺ کے وقت کا ہے۔ احد کی لڑائی میں یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت نبی کریم ﷺ شہید ہو گئے۔ میدان جنگ میں تو اس غلط فہمی کی تردید ہو گئی لیکن دوسرے لوگوں میں یہ خبر ابھی پھیل رہی تھی۔ جب لشکر اسلام واپس لوٹا تو ایک صحابیہؓ دیوانہ وار بڑھی اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ جس شخص سے سوال کیا وہ چونکہ جانتا تھا کہ آپ بفضل الٰہی بخیریت ہیں اس لئے اسے تو کچھ فکر نہ تھی اس نے اس سوال کی طرف توجہ نہ کی اور جواب میں اس عورت سے کہا کہ تمہارا خاوند مارا گیا۔ مگر وہ نبی ﷺ کی محبت میں متوالی ہو رہی تھی۔ اس نے پھر یہ سوال کیا۔ رسول اللہ ؐ کا کیا حال ہے؟۔ جواب ملا۔ تیرا باپ مارا گیا۔ اس نے کہا مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ تو بخیر و عافیت ہیں؟ جواب ملا تیرا بھائی بھی مارا گیا۔ اس پر پھر وہ بولی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا حال بتاؤ۔ جواب دینے والے نے کہا کہ وہ ہر طرح سلامت ہیں۔ مگر اسے اس پر بھی تسلی نہ ہوئی اور اس نے کہا مجھے دکھاؤ وہ کہاں ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی آگئے۔ اس عورت نے کہا کہ جب تو زندہ ہے تو ہر مصیبت میرے لئے آسان ہے۔ میرے دوستو یہ شاکر صحابیہؓ تھی۔ دیکھو رسول اللہ ؐ کے مقابلہ میں باپ بیٹا اس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیا اس زمانے میں بھی کوئی ایسی مؤمنہ عورت ہے؟ عورت تو درکنار کوئی ایسا مرد بھی تم میں موجود ہے؟ غرض شاکر وہ ہے جو فرض ادا کرنے پر پھولتا نہیں۔ بلکہ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر جاتا ہے۔ چندہ دینے والوں میں سے بعض تو ایسے ہیں جو چندہ دے کر صدر انجمن یا خلیفۃ المسیح پر احسان کرتے ہیں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں فرض ادا ہو گیا۔ مگر ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم پر خدا کا احسان ہے کہ اس نے ہم سے یہ خدمت لی مجھے اس زمانے کا ایک واقعہ یاد ہے کہ منی آرڈروں میں سے جو

حضرت صاحب کے نام آئے ایک کے کوپن پر لکھا تھا کہ یہ پندرہ روپیہ ارسال ہیں۔ایک روپیہ لنگر کے لئے اور باقی آپ خدا کے لئے اپنے نفس پر خرچ کریں اور مجھ پر احسان فرمائیں۔

پھر جب زلزلہ آیا اور حضرت اقدس باہر باغ میں تشریف لے گئے اور مہمانوں کی زیادہ آمدو رفت وغیرہ کی وجوہات سے لنگر کا خرچ بڑھ گیا۔تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ قرض لے لیں فرماتے ہیں میں اسی خیال میں آرہا تھا کہ ایک شخص ملا جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس نے ایک پوٹلی میرے ہاتھ میں دیدی اور پھر الگ ہو گیا۔اس کی حالت سے میں ہرگز نہ سمجھ سکا کہ اس میں کوئی قیمتی چیز ہوگی۔لیکن جب گھر آکر دیکھا تو دو سو روپیہ تھا۔حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی حالت سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساری عمر کا اندوختہ لے آیا۔پھر اس نے اپنے لئے یہ بھی پسند نہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔یہ شاکر کا مقام ہے۔

متقی محسن ایک اور بندہ ہے اس کا نام محسن ہے۔وہ شاکر سے ایک درجہ آگے بڑھتا ہے۔محسن کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو معاً اسے خیال آتا ہے کہ میرے اور بھائی بھی ہیں ان کو بھی بڑی تکلیف ہوتی ہوگی اور میں بڑا غافل ہوں کہ ان کی خبر نہیں لیتا۔پس وہ جب اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا ہے تو اس کے یہ معنی لیتا ہے کہ ہم سب لوگ خدا کے بندے ہیں یہ مصیبت مجھ ہی پر نہیں آئی بلکہ اور بھی خدا کے بندے ہیں۔پس وہ ان کی ہمدردی کے لئے اٹھتا ہے۔اور کمرِ ہمت چست کر کے ایک ایک کی غمخواری میں کوشش کرتا ہے۔جب اس کا کوئی عزیز مرتا ہے تو اسے دوسرے لوگوں کی تکلیف کا غایت درجہ احساس ہونے لگتا ہے اور وہ کہتا ہے میرے بھائیوں میں سے جس کا کوئی عزیز مرا ہے اسے بھی بہت دکھ پہنچا ہوگا۔پس وہ ہر طرح سے ان کی نصرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔محسن صرف آپ ہی صبر نہیں کرتا اور نہ صرف خدا کے حضور موجودہ نعمتوں پر شکر بجالاتا ہے بلکہ وہ دوسروں سے بھی ہمدردی کرتا ہے۔حضرت صاحب کا ایک واقعہ یاد آگیا۔گو مأموروں اور مرسلوں کا درجہ محسنوں سے بہت بڑھ کر ہے۔مگر اس واقعہ سے محسن کا مقام ظاہر ہو جائے گا۔مبارک احمد جب بیمار پڑا تو آپ کی محویت کا یہ عالم تھا کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔اپنے ہاتھ سے اس کو دوائی پلاتے اور دن کو آرام تو درکنار کئی راتیں جاگتے گذار دیں۔مگر جونہی اس کی جان نکلی آپ نے قلم دوات منگوائی اور لوگوں کو خط لکھنے شروع کر دیئے کہ اس ابتلاء میں صبرو شکر سے کام لو۔بجائے اس کے کہ جس کا بیٹا مرا وہ خود صبر کی تلقین کا محتاج ہوتا یا شکر کرنا کافی سمجھتا اسے دوسروں کی فکر پڑ گئی۔اور اپنا حال یہ ہے کہ خوش ہو رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ

کی پیشگوئی پوری ہو گئی- کیونکہ پہلے ہی خدا نے فرما دیا تھا کہ یہ چھوٹی عمر میں اس کے حضور واپس بلا لیا جائے گا- یہ صبر و شکر آپ کا بلکہ دوسروں کو صبر و شکر کی تعلیم کوئی سنگدلی کی وجہ سے نہیں تھی- نرم دلی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ بچہ کی تکلیف دیکھ کر رات کو بھی نہیں سو سکتے- یہاں تک کہ اس کی بیماری میں خدمت کرتے کرتے خود بیمار ہو گئے- مگر جب وہ وفات پاتا ہے تو آپ خوش ہوتے ہیں کہ خدا کی امانت تھی خدا کے پاس پہنچ گئی- اور پھر اس سرور کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے بھی ظاہر ہے- اور آپ خط پر خط لکھ رہے ہیں اور تقریر پر تقریر کئے جا رہے ہیں کہ خدا کا بڑا فضل بڑا احسان ہؤا- تم لوگوں کو بھی شکر بجالانا چاہئے- آپ کو اپنے بیٹے کی فکر نہیں پڑی بلکہ لوگوں کی فکر پڑی کہ شاید اسی راہ سے میرے مولیٰ کا جلال دنیا پر ظاہر ہو- یہ درجہ محسن کا ہے-

تقویٰ کے ہر سہ مراتب کا ذکر قرآن میں

ان تینوں مرتبوں کا ذکر اس آیت میں ہے- لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (مائدہ: ۹۴) پہلا درجہ اتقاء کا تو ایمان و عمل صالح ہے جو صابر متقی کی شان ہے- پھر تقویٰ کریں- اور ایمان پر ثابت قدم ہوں یہ شاکر متقی کا ذکر ہے- پھر تقویٰ کریں اور احسان میں بڑھیں- یہ محسن متقی کی شان ہے اور اللہ محسنوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے- اس جگہ پہلے دو درجوں کا نام نہیں- لیکن قرآن شریف کے دوسرے مقاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ محسن سے پہلے صابر و شاکر ہی کا درجہ ہے-

خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو تینوں درجوں کا متقی بنائے- تقویٰ کوئی آسان بات نہیں ہے کہنا تو آسان ہے پر کرنا مشکل- دیکھو تم وعدہ کر چکے ہو دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے- پس ضروری ہے کہ اس پر ثابت قدم رہو اور اعمال صالحہ میں ترقی کرو-

نماز

نماز فرض ہے- بہت سے احمدی نمازوں کو باجماعت ادا کرنے میں سُست ہیں- نماز دین کا ستون ہے- اور مجھ سے کوئی پوچھے تو قرآن شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز بغیر جماعت کے ہوتی ہی نہیں- سوائے اس صورت کے کہ کوئی عذر شرعی ہو-

زکوٰۃ

دوسرے درجے پر زکوٰۃ ہے- زکوٰۃ میں بہت سے بھائی کمزوری دکھاتے ہیں- حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب فتنۂ ارتداد پھیل گیا- اور صرف گاؤں میں نماز باجماعت رہ گئی- اور لشکر بھی شام کو بھیج دیا گیا- تو بھی آپ نے زکوٰۃ دینے والوں کے نام ارشاد بھیجا کہ رسول اللہ ؐ

کے زمانے میں اگر کوئی رسہ دیتا تھا اور اب نہیں دیتا تو میں تلوار کے زور سے لوں گا۔ حضرت عمرؓ ایسے جری و بہادر نے بھی رائے دی کہ اس وقت مصلحتِ وقت نہیں کہ زکوٰۃ پر زور دیا جائے۔ مگر آپ نے ان کی ایک نہ مانی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کس قدر ضروری ہے۔ اگر احمدی اپنی زکوٰۃ کا باقاعدہ انتظام کریں اور اسے امام کے حضور بھیج دیا کریں تو بہت سے قومی کام پورے ہو سکتے ہیں۔

روزے تیسرا رکن روزے ہیں۔ یہ ایسی پاک عبادت ہے کہ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر نیکی کا ایک اجر ہے مگر روزوں کا اجر میں ہوں۔ روزہ داروں کے لئے بہشت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو۔ بلکہ ایک دروازہ اور ہو گا جس کا نام ریّان ہو گا۔

حج پھر حج ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں۔ احمدی حج نہیں کرتے۔ تم میں سے جو ذی استطاعت ہیں وہ حج کر کے دکھادیں کہ ہم لوگ مکہ معظمہ کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر پھر وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ پر عمل کرو۔ دنیا میں نیک باتیں پھیلانے والے بنو۔ اور بری باتوں سے روکو۔ اصلاح اپنے گھروں سے شروع کرو۔ آپس میں محبت رکھو۔ الفت بڑھاؤ۔ میل جول کو ترقی دو تعلقات کو مستحکم کرو۔ یہ سب باتیں تقویٰ کے لئے ضروری ہیں اس لئے ان کا بیان کیا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ایسے محسنوں کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ دنیا میں نیکی کرتے ہیں اسی دنیا میں ان کو نیکی ملے گی۔ کیا پاک معیار ہے۔ جو لوگ خدا کے پیارے ہیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔ کوئی ہے جو کھڑا ہو کر کہہ سکے کہ فلاں متقی ذلیل ہو کر مرا' مجنوں ہو کر مرا' یا کوئی خدا کا صدیق' خدا کا متقی' خدا کا پرہیزگار مرگی زدہ ہو کر مرا۔ کوئی ہے جو یہ گواہی دے سکے کہ متقی ایسا بوڑھا ہو گیا کہ وہ اَرْذَلِ الْعُمُر کو پہنچ گیا ہو۔ ہاں اس کے خلاف میں شہادت دے سکتا ہوں۔ کہ بڑے بڑے ذی سطوت و صاحب حکومت بادشاہ باوجود اتنے اقتدار و وقار کے مجذوم ہو گئے۔ ان کو مرگیاں پڑیں۔ وہ دیوانے ہو گئے۔ پس دوستو تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ تقویٰ وہ دولت لازوال ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑھتی ہے۔ اور تقویٰ ہی وہ تریاق ہے جس کے سبب انسان تمام قسم کے زہروں سے محفوظ رہتا

ہے۔ محسن متقی کے لئے یہ انعام دنیا میں ہیں۔ اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر پائے گا۔

وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَةٌ

متقی کو ابتلاء بھی آتے ہیں۔ مگر گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ اگر تمہیں ایک جگہ تکلیف ہے تو خدا کی زمین کھلی ہے دوسرے مقام پر ہجرت ہو سکتی ہے۔ اور صبر سے کام لینے والوں کو بغیر حساب کے رزق دیا جاتا ہے۔

صابر کو بے حساب رزق دیا جاتا ہے

بادشاہ کے پاس بہت نعمتیں ہیں مگر پھر بھی اس کو کئی دکھ ہیں۔ لیکن صابر پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے وہ اس سے وعدہ فرماتا ہے کہ میں تجھے بے حساب دوں گا اور یہ سب اجر ہے اس بات کا کہ صابر خدا کے حضور اپنی اطاعت کی گردن ڈال دیتا ہے۔ اس کے فرمانوں کی بجا آوری پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اور ہر ابتلاء کے وقت آگے قدم بڑھاتا اور دوسری مخلوق کو بھی یہی تعلیم دیتا ہے اب ان آیات کو پڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ احکام لوگوں کے لئے ہی ہیں یا خود رسول اللہ ؐ کو بھی یہ حکم دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ (الزمر: ۱۲، ۱۳) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں دین کو اس کے لئے خالص کر کے۔ اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں فرمانبرداروں میں اول نمبر پر رہوں۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ حکم رسول کریم ﷺ کے لئے بھی یکساں ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا رسول کریم ﷺ نے اس حکم پر عمل بھی کیا کہ نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ - (الزمر: ۱۴-۱۵) کہہ کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے عذاب عظیم سے ڈرتا ہوں اور کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کی اطاعت میں شریک نہیں کرتا۔ ان آیات میں نبی کریم ؐ نے اپنی پاک زندگی کو پیش کیا ہے۔ اور ڈنکے کی چوٹ کہا ہے کہ میرا خدا سے تعلق ہے۔ کوئی ہے جو میری زندگی پر عیب لگائے۔ آریہ زینب ؓ کے نکاح کے بارے میں شور ڈالتے ہیں۔ اور عیسائی آپ ؐ کو ڈاکو وغیرہ کہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ اس وقت موجود نہ تھے۔ اور نہ ان کے پاس معتبر ذرائع سے کوئی خبر پہنچی ہے۔ جو لوگ اس وقت زندہ گواہ تھے ان کو تو اس زور سے چیلنج دیا گیا کہ میری زندگی پاک ہے کوئی ہے جو عیب لگائے۔ میں تو اللہ کی مخلصانہ فرمانبرداری کرتا ہوں۔ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ (الزمر: ۱۶) تم اس کے سوا کسی اور کی بندگی کر کے دیکھ لو۔ کوئی سکھ ملتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ

عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کی نافرمانی کرنے والے کیسے ٹوٹے میں پڑتے ہیں۔

ابو جہل کی مثال صاف ہے کہ وہ اپنی عزت وجاہت شوکت و قسمت پر کس قدر گھمنڈ رکھتا تھا۔ حتّٰی کہ مرنے کے وقت بھی اس نے کہا میری گردن ذرا لمبی کرکے کاٹنا تا کہ لوگوں کو معلوم رہے کہ میں سردار ہوں۔ مگر ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں تیری آخری خواہش بھی پوری نہیں ہونے دوں گا اور خوب رگڑ رگڑ کر گردن کاٹی۔ اچھا یہ تو کئی سو سال کا واقعہ ہے۔ اسی زمانے میں دیکھ لو۔ خدا کا ایک مأمور آیا۔ اس کے مقابلہ میں ایک لاٹ مولوی اٹھا۔ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی لاہور میں جاتا اور انار کلی سے گزرتا تو اس کے استقبال و ملاقات کے لئے بے شمار آدم اکٹھا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ ہندو بھی اپنی دوکانیں چھوڑ کر باہر نکل کھڑے ہوتے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت اقدس جنہوں نے شاکر و محسن طبیعت پائی تھی۔ تحدیث نعمت کے طور پر اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ سرائے میں جا کر میں ٹھہرا۔ چارپائی نہ ملی۔ اصطبل میں ایک جگہ ملی جہاں نیچے فرش پر رات کاٹنی پڑی۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک سکھ جو وہاں موجود تھا۔ ساری رات بڑبڑاتا رہا کہ یہ کہاں سے آگیا میں آگے ہی تنگ تھا۔ ایک وقت تو یہ تھا۔ یا اب یہ وقت بھی آیا کہ بغیر اس کے کہ پہلے اطلاع دی جائے۔ ہر سٹیشن پر آدمیوں کے پرے کے پرے جم جاتے تھے۔ موافق لوگوں کو تو خیر آنا ہی تھا مگر مخالف بھی کیا ہندوستانی کیا پنجابی کیا انگریز ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے اور جگہ نہ ملتی تھی۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ میں کسی طرح چہرہ دیکھ لوں۔ برخلاف اس کے وہ مولوی جو کسی وقت ان زوروں پر تھا۔ میں نے اسے دیکھا ہے کہ ایک سٹیشن پر ایک گٹھڑی اٹھائے ہاتھوں میں کھانا پکڑے ریل کی طرف اکیلا دوڑا جاتا تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ گھاٹے میں کون ہے۔ وہ جو خدا کے مأموروں کے مقابلہ کے لئے اٹھا۔ خدا نے تمہارے لئے یہ فرقان چھوڑ دیا ہے۔ اب بھی اگر تم اپنے ایمانوں کو چھپاؤ یا غفلت سے اپنی اولاد کو پھر غیر احمدیوں میں شامل ہونے دو تو تم گویا قتل اولاد کے مرتکب ہوتے ہو۔ میں دیکھتا ہوں جن کے باپوں کو حضرت اقدس سے بڑا اخلاص تھا اور بڑا تعلق تھا۔ اب ان کے بعض بیٹوں میں وہ شوق نہیں۔ اپنی اولاد کا فکر کرو انہیں دین کی طرف لگاؤ۔ کیا تمہارا بیٹا تمہارے سامنے زہر کھانے لگے یا کنویں میں چھلانگ مارنے لگے تو تم اسے اجازت دے دو گے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا کی نافرمانی چھوٹی سی بات ہے جس سے تم منع نہیں کرتے اور کیا جب تمہارا کوئی بچہ کنویں میں گرنے لگے تو ایک بار منع کرکے چپ ہو جاؤ گے؟ ہرگز نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ گناہ سے جو زہر سے بڑھ کر ہلاک کرنے والی چیز ہے صرف ایک دو بار کہہ کر چپ ہو جاؤ۔ چاہئے

کہ بار بار منع کرو اور اپنی اولاد کو نماز قائم کرنے اور شعائر اللہ کی تعظیم کی تاکید کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کرو اور خود بھی تقویٰ کو مدار نجات سمجھو۔ کیونکہ جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہی آگ ہے ☆ ان کے لئے سکھ کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحمٰن ہے۔ قبل از وقت اپنے عذاب سے خوف دلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے میرے بندو عذاب سے بچاؤ ڈھونڈو فرمانبرداری کا طریقہ اختیار کرلو۔ اور جو لوگ جھوٹی باتوں (طاغوت کے معنی ہیں) سے بچتے ہیں انہیں بشارت دے دو○ ایک معمولی حاکم سے کوئی بشارت ملے تو انسان پھولا نہیں سماتا۔ پھر اس انسان کی خوشی کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے جسے وہ احکم الحاکمین بشارت دے۔ زمینی گورنمنٹوں کے معمولی انعام کے وعدے بلکہ تنخواہ پانے کی امید پر سپاہی اپنا سر دینے کو تیار ہوتے ہیں حالانکہ اس گورنمنٹ کے ملازم کو پختہ یقین نہیں کہ یہ روپیہ مجھے ملے گا بھی یا نہیں۔ شاید اس کے پانے سے پہلے ہی مرجاؤں۔ اور اگر مل بھی گیا تو خدا جانے اس سے سکھ ملے یا نہ ملے۔ لیکن خدا تعالیٰ تو ابدالآباد زندہ ہے اور اپنے وعدوں کی وفا پر قادر ہے۔ اگر اس شخص کے (جس سے وعدہ کیا گیا ہے) حیات کے دن دنیا سے پورے ہو گئے ہیں تو آئندہ زندگی میں بیش از پیش دینے کو تیار ہے۔ غرض یہ بشارت خداوندی تو ایسی ہے کہ مرجاؤ تو بھی اس سے مستفید ہو زندہ رہو تو اسی دنیا میں بدلہ پالو۔ ان بندوں کا سب سے اعلیٰ وصف جن کو خدا تعالیٰ سے بشارت ملتی ہے یہ ہے کہ وہ اچھی اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں * يَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید پر عمل کرتے ہیں کیونکہ دوسرے مقام پر اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا فرما کر اللہ نے بتا دیا کہ احسن القول قرآن مجید ہے۔ دوم یہ قرآن شریف میں جو مختلف مدارج تقویٰ کے بیان ہوئے ہیں ان میں سے بڑے سے بڑے درجہ کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً ابھی جو مدارج میں نے بیان کئے ہیں ان کے مطابق اس آیت کا وہ مصداق ہو سکتا ہے جو صرف صبر و شکر پر کفایت نہ کرے بلکہ احسان کی طلب کرے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی جناب سے ہدایت بخشی اور یہی درحقیقت اُولُوا الْاَلْبَابِ ہیں۔ دنیا میں یوں تو بڑے بڑے فلسفی اور دانشمندی کا دم بھرنے والے ہو گزرے ہیں اور اب بھی ہیں مگر دانا وہی ہے جسے خدا خود ہدایت دے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنی جناب سے ہدایت کی

☆ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ (الزمر: ۱۷)

○ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ۔ (الزمر: ۱۸)

* اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الزمر: ۱۹)

راہیں سمجھائے ان پر چلائے پھر منزل مقصود پر پہنچائے، عمل صالح کرنے باہمی رشتہ محبت بڑھانے اور حق پھیلانے کی توفیق دے۔ کوئی ہم میں سے کسی دوسرے بھائی کی ٹھوکر کا باعث نہ ہو۔ ہماری حالتیں ایسی خراب نہ ہو جائیں۔ کہ لوگ سمجھیں وہ رسول سچا نہ تھا جس کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی۔ بلکہ ہمارے عملوں سے لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ ایک صادق نبی کے پیرو ہیں۔ آمین۔